باب 11
منشی پریم چند کا عہد

اردو ادب کی تاریخ میں پریم چند کا عہد کئی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس عہد میں اردو کے افسانوی ادب نے بڑی تیز رفتاری سے ارتقا کی منزلیں طے کیں اور اس کے سرمایے میں بیش بہا اضافہ ہوا۔ پریم چند کے عہد سے قبل اردو میں افسانے اور ناول کی روایت موجود تھی لیکن موضوع، فکر اور فن کے لحاظ سے اس کا دامن بہت محدود تھا۔ افسانہ نگاری اپنے ابتدائی مرحلے میں تھی۔ ناول نگاری بھی بندھے ٹکے موضوعات و مسائل میں محدود تھی۔ فنی نقطۂ نظر سے اردو کا افسانوی ادب کچھ زیادہ وقیع نہ تھا۔ پریم چند کی عہد ساز شخصیت نے افسانوی ادب کو فکر و فن دونوں سطح پر ایک ایسی بلندی عطا کی جس کے سبب اس عہد کی اپنی الگ شناخت قائم ہوئی۔ اس سے قبل ہمارے ادب میں شہری زندگی اور اس کے اقدار و مسائل ہی کو مرکزیت حاصل تھی۔ پریم چند نے اپنے قلم کا رُخ دیہات کی اس زندگی کی طرف موڑ دیا جو اب تک ادب کے دائرے سے خارج تھی۔ انھوں نے دیہات میں زندگی بسر کرنے والی ہندوستان کی 80 فی صد آبادی کو جو صدیوں سے اقتصادی و مذہبی استحصال سے دوچار تھی، اپنے افسانوں اور ناولوں میں مرکزیت عطا کی۔ اس طرح پریم چند سے اردو فکشن میں حقیقت نگاری کی ایک نئی روایت شروع ہوئی۔

پریم چند کی ادبی کاوشوں نے اس پورے عہد کو شدّت سے متاثر کیا۔ اس عہد کے دوسرے ادیبوں نے بھی پریم چند کی پیروی کرتے ہوئے دیہی اور عوامی زندگی کے مسائل و موضوعات کو اپنی تخلیقات میں مرکزی حیثیت دی۔ پریم چند سے متاثر ادیبوں کے اس گروہ کو ہم پریم چند اسکول کے نام سے بھی جانتے ہیں۔ ایسے ادیبوں میں سدرشن، علی عباس حسینی، اعظم کریوی، سہیل عظیم آبادی، حیات اللہ انصاری اور دیویندر ستیارتھی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ سیّد رفیق حسین اور صالحہ عابد حسین بھی اسی عہد کے دیگر اہم افسانہ نگاروں میں شامل ہیں۔

پریم چند (1880-1936) : منشی پریم چند بنارس کے ایک گاؤں لمہی (پانڈے پور) میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ اپنی ادبی زندگی کا آغاز انھوں نے نواب رائے کے نام سے کیا۔ پھر وہ پریم چند کے قلمی نام

سے لکھنے لگے اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے گاؤں میں حاصل کی۔ ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی۔ اسی دوران بی۔ اے۔ کیا پھر ہیڈ ماسٹر اور ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز بھی رہے۔ مہاتما گاندھی کے خیالات سے متاثر ہوکر 'عدم تعاون' کی تحریک کے زمانے میں انھوں نے ملازمت ترک کردی۔

پریم چند کے دور میں داستانوں کا طوطی بول رہا تھا۔ ان کے مطالعے میں اس وقت کی معروف داستانیں تھیں۔ انھیں کے زیرِ اثر پریم چند کو افسانوی ادب سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ آگے چل کر انھوں نے سرشارؔ، شررؔ، رسواؔ اور محمد علی طبیب کے ناولوں کا مطالعہ بھی کیا۔ 1903 میں انھوں نے اپنا پہلا ناول 'اسرارِ معابد' لکھا۔ جو ہفت روزہ 'آوازۂ خلق' بنارس میں قسط وار شائع ہوا۔ 1907 میں ان کا پہلا افسانہ 'دنیا کا سب سے انمول رتن' شائع ہوا۔ 1908 میں ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ 'سوزِ وطن' کے نام سے چھپا جسے انگریزی حکومت نے ضبط کرلیا۔

پریم چند کے افسانوں اور ناولوں میں انسانی زندگی کی سچّی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔ انھوں نے سیاسی، مذہبی اور جاگیردارانہ استحصال کے شکار لوگوں کے گرد اپنے افسانوں اور ناولوں کا تانا بانا تیار کیا ہے۔ ان کی کہانیوں میں دیہی ماحول اور غریب و کمزور طبقوں کی سچی تصویریں ملتی ہیں۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں کسانوں، مزدوروں، محنت کشوں اور سماج کے نچلے طبقے کے لوگوں کے دُکھ درد، احساسات اور جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

پریم چند نے بارہ ناول لکھے جن میں 'غبن'، 'میدانِ عمل'، 'چوگانِ ہستی'، 'گوشۂ عافیت'، 'بازارِ حُسن' اور 'گئودان' اہم ہیں۔ 'پریم پچیسی'، 'پریم بتیسی'، 'واردات'، 'خواب و خیال'، 'آخری تحفہ' اور 'زادِ راہ' ان کے مشہور افسانوی مجموعے ہیں۔

رفیق حسین (1894/95-1946) : سیّد رفیق حسین لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ شکار کے شوق کے ساتھ ساتھ انھیں فطرت کے مطالعے سے بھی دل چسپی تھی۔ انھوں نے جانوروں کی نفسیات پر متعدد افسانے لکھے۔ اُن کے افسانوں کا مجموعہ 'آئینۂ حیرت' کے نام سے شائع ہوا۔ یہی مجموعہ 'شیر کیا سوچتا ہوگا' کے نام سے بھی چھپ چکا ہے۔

رفیق حسین کے افسانوں میں مناظرِ فطرت کی حسین اور سچّی تصویریں ملتی ہیں۔ انھیں الفاظ کے صوتی آہنگ سے تاثر پیدا کرنے میں کمال حاصل ہے۔ مختلف جانوروں کی آوازوں، پرندوں کی بولیوں، پانی کے بہنے کے

شور، ہوا کے چلنے کی دھیمی اور تیز آوازوں، جنگل کی سائیں سائیں سے وہ اپنے افسانوں میں حیرت کا سماں پیدا کر دیتے ہیں۔

سدرشن (1896-1967) : پنڈت بدری ناتھ سدرشن سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ لاہور میں ان کی تعلیم وتربیت ہوئی۔ وہ متعدد اردو ہندی رسالوں کے مدیر رہے۔ 'چندن' نام سے اردو میں ایک رسالہ بھی جاری کیا۔ بعد میں وہ لاہور سے کلکتہ چلے گئے۔ وہاں انھوں نے ڈرامے بھی لکھے۔ کچھ دنوں بعد ممبئی منتقل ہو گئے اور فلموں کے لیے کہانیاں، گانے اور مکالمے لکھنے لگے۔

انھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز اردو سے کیا پھر وہ ہندی میں بھی لکھنے لگے۔ وہ افسانہ نگاری میں پریم چند کے مقلّد تھے۔ ان کا انتقال ممبئی میں ہوا۔ 'چندن' اور 'سدابہار پھول' ان کے افسانوں کے مجموعوں کے نام ہیں۔

علی عبّاس حسینی (1897-1969) : علی عباس حسینی غازی پور کے ایک قصبے بارہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے 1915 میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور 1924 میں الہٰ آباد سے ایم۔ اے۔ کی سند حاصل کی۔

علی عبّاس حسینی رابندر ناتھ ٹیگور اور شرت چندر کی تخلیقات سے بے حد متاثر تھے۔ وہ ادب برائے زندگی کے قائل تھے اور پریم چند کے مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ افسانوں کے علاوہ انھوں نے ناول، ڈرامے اور تنقیدی مضامین بھی لکھے۔ 'اردو ناول کی تنقیدی تاریخ' ان کی ایک اہم کتاب ہے۔ ان کے بعض افسانے بچّوں کی نفسیات سے متعلق ہیں۔

اعظم کریوی (1898-1954) : ان کا اصل نام اعظم حسین تھا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں اور اعلیٰ تعلیم الہٰ آباد میں حاصل کی۔ وہ شاعر بھی تھے لیکن شہرت انھیں افسانہ نگاری سے ملی۔ اعظم کریوی کے فکر وفن پر پریم چند کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ ان کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ مغرب پرستی کے مُضِر اثرات کو انھوں نے اپنے افسانوں میں نمایاں کیا ہے۔

'پریم کی چوڑیاں'، 'کنول کے پھول' اور 'روپ سنگھار' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔

ستیارتھی (1908/26-2003) : دیویندرستیارتھی کی پیدائش بدھوڑ (پٹیالہ) میں ہوئی۔ انھوں نے ڈی۔ اے۔ وی کالج، لاہور سے بی اے کیا۔ اردو اور ہندی میں متعدد افسانے تحریر کیے۔ ان کے افسانوں کی انفرادیت یہ ہے کہ ان کا تانا بانا لوک گیتوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔ ان کے افسانوں میں ہندوستانی عوام کی سیدھی سادی زندگی کی حقیقی تصویریں ملتی ہیں۔

ستیارتھی کے طرزِ بیان پر بھی ہندوستانی لوک کتھاؤں کا اثر صاف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ 'دیا جلے ساری رات'، 'لاچی'، 'ہرنی'، 'جنگلی کبوتر'، 'لال دھرتی'، 'نئے دیوتا'، 'نئے دھان سے پہلے'، 'دوراہا'، 'پھر وہی کنج قفس' اور 'قبروں کے بیچوں بیچ' ان کے مشہور افسانے ہیں۔ اردو، ہندی اور پنجابی میں ان کی 45 کتابیں شائع ہوئیں۔ ان کا انتقال دہلی میں ہوا۔

اشکؔ (1910-1996) : ان کا نام اُپندر ناتھ تھا۔ ان کی پیدائش جالندھر میں ہوئی۔ زندگی کا بڑا حصہ الٰہ آباد میں گزرا۔ انھوں نے کئی ادبی رسالوں کی ادارت بھی کی۔

ان کے افسانوں میں اصلاحی اور اخلاقی پہلو نمایاں ہے۔ ان کا اسلوب سادہ اور پر اثر تھا۔ 'کونپل'، 'قفس'، 'چٹان'، 'پلنگ' ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ انھیں اقبال سمّان کے علاوہ کئی دیگر اعزازات سے بھی نوازا گیا۔

حیات اللہ انصاری (1911-1999) : حیات اللہ انصاری لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے گھر میں حاصل کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ کیا۔ انھیں سیاست اور صحافت میں خاص دلچسپی تھی۔ وہ ملک کے مشہور اردو اخبار 'قومی آواز' سے بحیثیت مدیر منسلک رہے۔ حیات اللہ انصاری مہاتما گاندھی کے افکار سے متاثر تھے۔ 'بھرے بازار میں'، 'شکستہ کنگورے'، 'موزوں کا کارخانہ' اور 'انوکھی مصیبت' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔

حیات اللہ انصاری کے افسانوں میں انسان کے داخلی کردار اور زندگی کی بے رحم حقیقتوں کا بیان ملتا ہے۔ افسانوں کے علاوہ انھوں نے ایک ضخیم ناول 'لہو کے پھول' پانچ جلدوں میں لکھا ہے۔ اس ناول کی پوری کہانی 'تحریکِ آزادی' کے پس منظر میں بیان کی گئی ہے۔ اس ناول کے علاوہ 'گھروندا' اور 'مدار' جیسے ناول بھی اپنے موضوع کے نئے پن کی وجہ سے کافی اہم خیال کیے جاتے ہیں۔

سہیل عظیم آبادی (1911-1979) : ان کا اصل نام مجیب الرحمٰن تھا لیکن سہیل عظیم آبادی کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ وہ بہار کے ایک زمیندار خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے کلکتہ گئے۔ وہاں

انھوں نے اخباروں میں بھی کام کیا۔ واپس آ کر پٹنہ سے ایک روز نامہ 'ساتھی' جاری کیا۔ اس کے بعد ماہنامہ 'تہذیب' نکالا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہو گئے۔

سہیل عظیم آبادی نے اپنے فن پر پریم چند کے اثرات کا اعتراف کیا ہے۔ 'الاؤ'، 'نئے پرانے' اور 'چار چہرے' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ انھوں نے ایک ناولٹ 'بے جڑ کے پودے' بھی لکھا ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں ہندوستانی عورت کی نفسیات کو ہنر مندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ سہیل عظیم آبادی کے افسانوں کی زبان پریم چند کی زبان کی طرح سادہ اور سہل ہے۔

صالحہ عابد حسین (1913-1988) : ان کا نام مصداق فاطمہ تھا۔ وہ پانی پت میں پیدا ہوئیں۔ خواجہ غلام الثّقلین کی صاحب زادی اور ڈاکٹر سیّد عابد حسین کی بیوی تھیں۔ لکھنے پڑھنے کا شوق انھیں بچپن ہی سے تھا۔ وہ ناول نویس اور افسانہ نگار کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ صالحہ عابد حسین نے اپنے ناولوں، افسانوں اور ڈراموں کے ذریعے انسانی اور تہذیبی قدروں کو عام کیا اور عورتوں کے مسائل اور سماجی خرابیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ حکومتِ ہند نے ان کو 'پدم شری' کا اعزاز عطا کیا۔ ان کے ناولوں میں 'عذرا'، 'آتشِ خاموش'، 'قطرے سے گہر ہونے تک'، 'یادوں کے چراغ' اور 'اپنی اپنی صلیب' قابلِ ذکر ہیں۔ 'یادگارِ حالی' بھی ان کی اہم کتاب ہے۔

اس طرح پریم چند کا عہد اردو کے افسانوی ادب میں اہم موڑ کے طور پر اپنی شناخت رکھتا ہے۔ اس عہد میں پریم چند اور ان کے مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ادیبوں نے اردو میں نہ صرف افسانہ نگاری اور ناول نگاری کے فن کو جلا بخشنے میں نمایاں کردار ادا کیا بلکہ فکری و لسانی اعتبار سے بھی اردو فکشن کو کئی نئی جہتوں سے روشناس کرایا۔